انسان، اے انسان! کا کرداری مطالعہ

A Characteristic Study of Insaan Aa Insaan

محمد متین نظامانی

پی ایچ۔ڈی اسکالر، وفاقی اُردو یونیورسٹی آرٹس سائنس اور ٹیکنالوجی، کراچی

ڈاکٹر نادیہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، وفاقی اردو یونیورسٹی آرٹس سائنس اور ٹیکنالوجی، کراچی

Muhammad Mateen Nizamani

Ph.D Scholar, Department of Urdu Federal Urdu University of Arts, Sciences & Technology, Karachi

mateenniz698@gmail.com

Dr. Nadia

Assistant Professor, Department of Urdu Federal Urdu University of Arts, Sciences & Technology, Karachi

nadia@fuuast.edu.pk

Abstract:

This article presents a critical character study of "Insan, Aey Insan!" by Dr. Hasan Manzar, a distinguished Urdu novelist who explores the social, cultural, political and psychological complexities of mid-20th-century South Asian, particularly Pakistani society. Through the life of Tilmiz-ur-Rehman, the novel reveals the destructive interplay of strict upbringing, religious extremism, social deprivation, class hierarchy, and political instability. Drawing on his deep insight as both a psychologist and a fiction writer, Dr. Manzar demonstrates how poor nurturing, oppressive religiosity, socio-economic constraints, and cultural contradictions shape an individual's moral decline and psychological deterioration. The novel critiques exploitative religious, political, legal, and familial institutions while presenting diverse characters from various social strata whose actions contribute markedly to the protagonist's downfall.

Keywords: Insan, Aey Insan, mid-20th-century, social, cultural, strict upbringing, contradictions shape, individual's moral

تجربات اور مشاہدات انسانی بصیرت کو گہرائی عطا کرتے ہیں۔ ایک حساس انسان معاشرتی نباض ہوتا ہے۔ دنیا کو دیکھنے اور پرکھنے کا اس کا اپنا ہی جدا انداز ہوتا ہے۔ اردو فکشن کا ایسا ہی ماہر نباض ڈاکٹر حسن منظر ہیں جنہوں نے ملکوں ملکوں، شہر در شہر اپنی تعلیمی اور پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے ساتھ اپنی تنقیدی اور نفسیاتی فکر کو مد نظر رکھتے ہوئے متنوع موضوعات پر فکشن تخلیق کیا۔ ناول ہو یا افسانہ تنقیدی واقعیت، گہری بصیرت، قوی مشاہدہ، سماجی اور سیاسی منظر نامہ ان کے ادب کے خاص پہلو ہیں۔ اس حوالے سے الیاس شوقی لکھتے ہیں کہ

> "حسن منظر کے یہاں انسانی نفسیات کا بہت گہرا شعور موجود ہے۔ ان کا بیانیہ ایک غیر محسوس تجزیاتی عمل سے گزرتا ہے جو واقعات اور کرداروں کے میل سے انسان، اس کی سوچ اور اس کی جبلتوں کی

پرتیں کھولتا ہے۔"(۱)

حسن منظر کا تخلیق کردہ ادب اپنی معنویت، اسلوب، موضوع اور کردار ہر اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ وہ دیگر لکھنے والوں سے الگ پہچان رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تکنیک کے تجربات اور ٹریٹمنٹ ان کی فنکارانہ پختگی کی دلیل ہے۔ ان کا سماجی شعور ان کے موضوعاتی تنوع کا باعث ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ تہذیب کے نمائندہ بھی ہیں۔ ان کی تحریروں میں استحصالی نظام کی شناخت ملتی ہے جو معاشرے اور سماج سے تعلق رکھتی ہے اسی لیے اس کی پیشکش میں تہذیبی و ثقافتی منہاج کے لیے علاحدہ سے کسی ڈسکرپشن کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ وہ کہانی، کرداروں، مکالمات اور بیانیہ میں خود بخود ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ ناول نگار کے نزدیک ناول کسی عہد یا گزرے زمانے کی تہذیبی، تاریخی اور سماجی بازگشت کا دوسرا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سماجی حقیقت نگاری اور واقعیت پر مبنی فکشن تخلیق کرتے ہیں، جو اپنے دور کی تہذیبی اقدار اور تاریخی شناخت کا بیانیہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے نظریہ ادب کے تحت تخلیق کی گئی کہانیوں میں سماجی مسائل، انفرادی زندگی کا اظہار، جنسی مسائل، معاشرے کی فرسودہ روایات، اخلاقی اقدار، انسان دوستی، مذہب کا معاشرے میں کردار اور نفسیاتی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ لغاری کے بقول

> "جو عصری بصیرت یا روح عصر کی دریافت ان کی تحریروں میں دیکھنے کو ملتی ہے، وہ ان کے سماجی، تہذیبی اور تاریخی شعور پر دلیل ہے۔"(۲)

حسن منظر کا ناول "انسان اے انسان!" بیسویں صدی کی دوسری دہائی سے لے کر تقسیم برصغیر کے بعد اگلی چار دہائیوں کا احاطہ کرتا ہے یہ ناول جس دور سے تعلق رکھتا ہے وہ ہنگامی صورتحال کا عکاس ہے۔ دنیا فکری، سماجی، سیاسی، جغرافیائی سطح پر ہر عہد میں تغیرات کا شکار رہی ہے۔ اس عہد کی شناخت میں جنگ عظیم اول رہی جس نے دنیا کی تاریخ میں اس قدر تیزی سے تبدیلیاں کیں کہ بیسویں صدی تاریخی، سماجی، معاشرتی، اخلاقی اعتبار سے بحران سے گزری۔ یہی وجہ ہے کہ ہر لکھنے والا اس سماجی بحران کو موضوع بنا رہا تھا۔ حسن منظر اس عہد کے خود امین ہیں مگر انھوں نے اس بحران کو اپنی تخلیق کا بنیادی حوالہ بنانے کے بجائے سماجی، تہذیبی اور تاریخی شعور کو اپنی تخلیقات میں پیش کیا۔ "انسان اے انسان" میں بھی اسی شعور کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور ایک مخصوص طبقاتی فرد کے فکری پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار تلمیذ الرحمٰن ہے جو سماجی تضادات اور کجیوں کا آئینہ دار ہے۔ اس کی زندگی جس کرب و اذیت اور بھوک میں گزری اس نے اس کی زندگی کے داخلی و باطنی دونوں پہلوں پر اثرات مرتب کیے۔ یہ کردار اپنی کم عمری سے ہی اندرونی و بیرونی رازوں کا امین بن جاتا ہے۔ نینی پور کے گھرانے میں پیدا ہونے والے تلمیذ الرحمٰن پر مذہب کی رسمی پاسداری پر بھی سختی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اسی ایک کردار کے ذریعے ناول نگار نے زندگی کی کہانی کو آگے بڑھایا ہے اور معاشرتی، تہذیبی، ثقافتی اور سماجی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ انسانی نفسیات کا شعور بھی اجاگر کیا ہے۔ یہ ناول ایسے انسان کی زندگی کی کہانی ہے جو ہر لمحہ تغیرت کا شکار رہی ہو۔ یہ ناول ان ہی کشمکش کا بیانیہ ہے جو وقت اور حالات کے آگے بے بس کر دیں۔ بقول ڈاکٹر نسیمہ الرحمٰن

> "اس ناول کی کہانی میں ہر انسان کو کم و بیش اپنا عکس دکھائی دیتا ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے یہ ناول واضح کرتا ہے کہ انسان فانی ہے جبکہ زندگی کے دریا میں سکوت ہرگز نہیں، یہ تو ازل سے تسلسل سے بہہ رہا ہے۔"(۳)

ایسے ہی تغیرات کا شکار تلمیذ الرحمٰن بچپن (چھ سال) کی عمر سے گزر تا رہا ہے۔ مخالف جنس میں کشش، نازیبا حرکات کرنا اس کی عادتوں میں شامل ہوتا ہے۔ پکڑے جانے پر اس کو خوب پیٹا جاتا ہے اور اس جرم کی پاداش اور بہتر تربیت کے لیے نینی پور سے اس کی بہن کلثوم کے پاس راجدھانی بھیج دیا جاتا ہے۔ سونے پہ سہاگہ کہ یہاں آکر اس کی شخصیت میں مزید بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ نہ پیٹ بھر کھانا ملنا، نہ ہی دیگر سہولتیں میسر تھیں۔ بہنوئی

کا سخت گیر رویہ اور گھر کا سخت گیر ماحول اور بھوک اسے گھر سے فرار اور جوئے کی لت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ یہ جوا اسے اپنی ضرورت پوری کرنے اور بھوک مٹانے کی ایک کوشش ہوتی ہے۔ کچھ عرصے بعد والدین کا انتقال ہو جاتا ہے اور تلمیذ کی عادات کی بنا پر بہن بہنوئی اسے گھر سے نکال باہر کرتے ہیں۔ اس بد سلوکی نے اسے گھر سے باہر کی فضا میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور کر دیا۔ گھر سے باہر نکالے جانے پر وہ ہاسٹل شفٹ ہو جاتا ہے اب اس کی دنیا جوا، شراب، رنڈی بازی تک رہ جاتی ہے کیونکہ والدین کے انتقال کے بعد تمام جائیداد تایا عزیز الرحمٰن اپنے ہاتھ لے لیتے ہیں اور دین سے رغبت ان میں شدید رعونت کا باعث بنتی ہے۔ وہ اسلامی نقطہ نظر سے تمام وراثت تقسیم کر دیتے ہیں۔ کچھ عرصہ اس کی پڑھائی کا خرچہ اٹھاتے ہیں پھر بند کر دیتے ہیں۔ پھر پیسے ختم ہونے پر اسے بقایا زندگی کی کوششیں خود کرنی پڑتی ہیں۔ کالج میں اس کی ملاقات فتی، کلو اور روشن سے ہوتی ہے۔ اس کے ایام طوائف کے کوٹھے پر بسر ہوتے ہیں۔ اس دوران اس کے دل و دماغ پر اپنی تایازاد تسنیم کی محبت سوار رہتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد جب وہ کیمیٹل سٹی اپنے دوستوں کے ساتھ جاتا ہے تو وہ دل آرا (ادیبہ) سے متاثر ہوتا ہے۔ ایف سی پی میں اس کی ملاقات کئی طرح کے لوگوں سے ہوتی ہے جن پر وہ اپنی دست شناسی، ستارہ شناسی، علم الاعداد اور ذہانت کی دھاک بٹھا دیتا ہے، مگر اپنے غصے کی عادت کی وجہ سے زیادہ عرصہ وہاں ٹک نہیں پاتا۔ اس کی زندگی مختلف اتار چڑھاؤ کا شکار رہتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد وہ برٹش فوج میں بھرتی ہو جاتا ہے جہاں سے اسے پرانی راجدھانی بھیج دیا جاتا ہے مگر فسادات اور برٹش نو آبادیات میں آزادی کی لہر پیدا ہونے پر وہ فوج سے بھی فرار اختیار کر لیتا ہے اور ایک فلم ڈسٹری بیوٹر کے یہاں ملازمت کر لیتا ہے۔ اس سے مستعفی ہو کر بہن بھائیوں سے ملنے کے بعد نئے ملک نکل جاتا ہے

یہاں اس کی زندگی ایک نئے ڈھب سے شروع ہوتی ہے اور قسمت آزمائی کرتے ہوئے اس کو اردن لیڈر جبار کے کہنے پر امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار شروع کر دیتا ہے جس میں اسے انگلش اور ٹائپنگ کی صلاحیت فائدہ مند ثابت ہوتی ہے، مگر ایک فراڈ کیس میں دھر لیا جاتا ہے۔ امینہ (جو اس کی رکھیل ہے) اور فتی بھائی اسے جیل سے رہا کرواتے ہیں۔ میمونہ سے شادی کر کے سیدھی سادی زندگی گزارتا ہے۔ اس کے تین بچے ہوتے ہیں۔ مگر اپنی سہل پسند طبیعت کی وجہ سے گھر کو جوئے کا اڈہ بنا دیتا ہے۔ اس کے ناروا سلوک کی وجہ سے اس کا بیٹا انجم گھر چھوڑ جاتا ہے اور کچھ وقت بعد مردہ حالت میں لاوارث قرار دیا جاتا ہے۔ ظلم کی چکی میں پستی بیوی میمونہ گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہے اور رنگ ناز سے ملاقات میں وہ اسے ایک قتل کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن اس کا حکم نہ ماننے پر اسے جھوٹے مقدمے میں پھنسوا کر موت کی سزا دلواتا ہے۔ جیل میں وہ اپنے گزرے ماضی پر نادم ہوتا ہے اور نماز روزے کا پابند ہو جاتا ہے مگر جب سیاسی قیدیوں کو چھڑانے کے لیے جیل توڑی جاتی ہے تو تلمیذ بھی اس دوران فرار ہو جاتا ہے۔ اس ایک کردار کے ذریعے حسن منظر نے ناول کی سماجی، تہذیبی، تاریخی اور نفسیاتی پہلوؤں کو بے نقاب کیا ہے۔ یہ ناول فرد واحد کی نیرنگیوں کے نقب میں سماج کا وہ چہرہ ہے جو تہذیبی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر شکیل احمد خاں لکھتے ہیں کہ:

> "آپ نے سماجی، معاشی، سیاسی، طبقاتی، جنسی، نفسیاتی، مذہبی معاملات و مسائل کو موضوع بنایا ہے اور ان کو کہیں انفرادی صورت میں اور کہیں اجتماعی صورت میں پیش کرتے ہوئے اصل حقائق اور ان کے اثرات بیان کیے ہیں۔ آپ کی واقعات نگاری حقیقت سے قریب تر ہوتی ہے۔۔۔۔ واقعے کے پہلو میں چھپی گہری معنویت اور اس کے اثرات اس تسلسل کو ٹوٹنے نہیں دیتے۔"(۴)

ناول "انسان اے انسان" عصری حساسیت اور سماجی تقاضوں کو بروئے کار لاتے ہوئے بنا گیا۔ پلاٹ ایک انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ تلمیذ کے کردار کے ذریعے مصنف نے پاکستانی سماج کی عکاسی کی ہے کیونکہ ہمارے سماج کے پیدا کردہ تمام کردار گھٹن اور حبس زدہ ہیں۔ ناول میں ضمنی کہانیاں بھی وقفے وقفے سے دروازہ کھٹکھٹاتی ہیں اور اپنا حصہ ڈال کر آگے بڑھ جاتی ہیں مگر کہیں بھی بے ربطگی پیدا نہیں کرتیں۔ ناول کا ایک پہلو

مذہب کی اجارہ داری بھی ہے جس پر حسن منظر کی خوب نظر ہے۔ ناول میں برصغیر کے اس طبقے کی نمائندگی بھی ملتی ہے جو مذہبی طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ خواتین کی تعلیم کا بھی حامی تھا مگر اس فکری تبدیلی کو اپنانے سے ہچکچا رہا تھا۔ اس حوالے سے عتیق الرحمٰن کا کردار نمایاں ہے۔ اس گھرانے کو مسلم متوسط طبقے کا نمائندہ قرار دیا جاسکتا ہے جو سخت گیر مذہب پسند کے طور پر سامنے آتے ہیں اور اس مثالیت پسندی میں عزیز الرحمٰن اور داماد کی شکل میں موجود افراد تلمیذ کی بنیاد کو ہی کھوکھلا بنانے کا مظہر ہیں۔ مذہبی شدت پسندی نے تلمیذ میں فرار کی راہ پیدا کی۔ ماہر نفسیات ہونے کی بنا پر انسانی نفسیات کو سمجھتے ہوئے ناول نگار نے اس کے بچوں کی تربیت پر منفی اثرات کو عمدگی سے بیان کیا ہے کہ حد سے زیادہ کسی بھی عمل میں سختی بچوں کو باغی بنا دیتی ہے اور وہ ماحول سے فرار کی کوشش کرتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"اگر تم خدا کو مانتے ہوتے تو میں کہتا: خدا کی اتنی بڑی دنیا ہے، اس میں اپنی جگہ ڈھونڈ لو مگر تم مذہب سے باغی ہو، اس لیے کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"میں تو خدا کو مانتا ہوں، اس سے باغی نہیں ہوں"۔۔۔ ہوں! نماز ایک وقت کی نہیں پڑھتے ہو؟، روزہ رکھتے ہو اور دن بھر اسے افطار کرتے رہتے ہو۔۔۔ آنے والے وقت میں تلمیذ اس نتیجے پر پہنچا: میں پہلے خدا کو مانتا تھا، اس دن بڑے بھائی جان کے فتوے نے مجھے بتایا کہ میں لا مذہب ہوں۔ وہ نہ کہتے تو شاید خود کو دین پر سمجھتا رہتا۔"(۵)

حسن منظر نے اس ناول میں مسلم طبقہ جو سماجی اور رسمی طور پر مذہب سے جڑا تھا۔ میلاد شریف سے لے کر موت تک لگی بندھی رسومات کی پیروی اس سماج کا خاص حصہ بن چکی تھی۔ مذہب سے کھوکلی وابستگی نسلوں کی تباہی کا سبب بن رہی تھی۔ خاص طور پر مولوی طبقہ جو ایک سخت گیر قوت کے طور پر اجاگر ہوتا ہے۔ یہی حال میلاد و وعظ کی محفل میں شریک خواتین کا تھا۔ مولوی صاحب کا بے وقت گھر پر اسے پڑھانے آنا اور شربت طلب کرنا اسے ذرا نہ بھاتا تھا۔ ایک دن وہ اپنی ماں سے کہتا ہے

"مولوی کمینہ آدمی ہے، آپ آئندہ اس سے بات مت کیجیے گا، پردے کی اوٹ سے بھی نہیں۔"(۶)

میلاد کے بیان میں موت کے عذاب سے ڈرایا جاتا جس میں میلاد پڑھنے والی صاحبہ کو مہارت حاصل ہوتی تھی۔ مرنے والے یا والی کا آخری وقت، زمین کے سپرد کرنے کی تفصیلات اور وہاں جو ہوتا ہے۔۔۔ لیکن باقی سب خوش نظر آتے تھے صرف تلمیذ سہما ہوا سا ہوتا تھا۔ اس نے سمجھ لیا تھا گناہ چھپا کر کرنے والے کام کو کہتے ہیں اور اس کی اپنی چھپا کر کرنے والے کاموں کی دنیا تھی۔(۷)

ناول نگار معاشرتی اور تہذیبی لحاظ سے مذہبی اداروں کو مسیحا سمجھتے اور ان سے توقعات رکھتے ہیں۔ مذہبی فکر ہونے کی وجہ سے ان کا دیگر مذاہب پر بھی کافی مطالعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ ان اداروں کو سماجی منفیت پھیلانے پر رائج دیکھتے ہیں تو ان کا لہجہ نہایت تلخ ہو جاتا ہے۔

"آدم کا پالا صرف ایک پیڑ سے تھا اور اس کا پھل کھانے سے اسے روکا گیا تھا، یہاں تو ممنوعہ پھلوں کے ان گنت پیڑ ہیں، باغ کے باغ۔"

"انسان نہ تو گناہ گار پیدا ہوتا ہے نہ گزرتی زندگی کے ساتھ گناہ گار بنتا جاتا ہے۔ گناہ گار ہے تو اس کا ماحول بلکہ گناہ ساز۔"(۸)

تلمیذ کی جیل میں ذاکر سے ملاقات ہوتی ہے جو ایک مذہبی انسان ہے۔ وہ ان خوش قسمت اور سیدھے سادے آدمیوں سے تھا جو جس مذہب پر پیدا ہوتے ہیں اسے مضبوطی سے ساری زندگی تھامے رہتے۔ کبھی اپنے ایمان میں دراڑ نہیں پڑنے دیتے ہیں۔() ماہر نفسیات ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر

صاحب ایسی گہری بصیرت اور شعور رکھتے ہیں جو کمزور ترین سماجی رویوں اور بیانیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ ان کی تحریروں میں بچوں سے برتا جانے والا رویہ اور ناروا سلوک تمام سفاکی اور مضحکہ خیزی کے ساتھ موجود ہے۔ ایک بچے کو تلمیذ الرحمٰن جیسی شخصیت بننے میں کن عوامل کی کارفرمائی شامل ہے وہ تمام کجیاں اس کردار میں موجود ہیں۔ اس ناول سے پیشتر وہ اپنی مختصر کتاب "موجودہ معاشرہ اور برہنہ فلمیں" میں نشاندہی کر چکے ہیں کہ نوعمری میں نوجوان نسل کے بگاڑ کے پیچھے موجود کون سے عوامل ہے۔ وہ نوجوان نسل کو اس بگاڑ سے دور رکھنا چاہتے ہیں مگر معاشرتی رویوں اور تربیت کی کمی کو اس کا سبب تسلیم کرتے ہیں۔ میرونہ لغاری کے مطابق:

> "انسان اے انسان" میں بھی سماج کس طرح اپنے نوعمر بچوں کے متعلق اپنی سماجی ذمہ داریوں کا احساس کیے بغیر تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔ ناول کے مرکزی کردار تلمیذ کو جس شکست وریخت کا سامنا ہے اگلی نسل میں اس کے بیٹے کو تلمیذ کے ہاتھوں وہی مصائب درپیش ہیں۔(۹)

ڈاکٹر حسن منظر نے اس کردار کے ذریعے معاشرے کے مذہبی کرداروں کے باطن میں پوشیدہ تضادات، مذہبی شدت پسندی اور رعونت کو مشاہدہ کیا ہے جو ان مذہبی کرداروں کے ذریعے رواجی مذہبی عبادت کو جنم دیتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ یہ رعونت ان میں بے حسی اور سخت گیری کو جنم دیتی ہے جس کی مثال تلمیذ کے گھر والے ہیں۔ ناول میں مسلم معاشرے کی رجعت پرستی اور تہذیبی آویزش کو اپنائے ہوئے ہندو مسلم اشتراک کو بھی بیان کیا گیا ہے کیونکہ ایک مشترکہ تہذیب کے اثرات معاشرے پر رائج رہے جس میں مسلم معاشرے کا جہیز کا تصور اور ہندوؤں کے ہاں "کنیاں داں" اس کی مثال ہیں۔ ناول مذہبی زندگی میں سرمو جنبش کرنے پر آمادہ نہ ہونے کے باعث ہمیشہ باعث رنج رہے۔ ناول میں تلمیذ کے کردار کے ذریعے جو نیرنگی پیش کی گئی ہے وہ صحیح غلط، سیاہ و سفید، گناہ گار و زاہد کے درمیان ڈولتے کردار کی نفسیاتی کجیاں ہیں جس کی وجہ تربیت کی کمی، ناقص پرورش، ماں باپ سے ہم آہنگی نہ ہونا، گھر کا سخت ماحول، والدین کا جابرانہ حاکمانہ رویہ اور اپنے ہی خاندان کے ماضی، حال اور مستقبل کے اقدار و رسوم رواج تھے۔ اس کے دل میں بارہا اپنے گناہوں سے توبہ کا خیال آیا اور اس نے اپنے تمام مشاغل ترک کرنے کی کوشش کی۔ بورڈنگ میں اس نے دینیات کی کتابوں سے اپنا علاج کروانا چاہا۔ ایک دن اس نے مولوی صاحب سے پوچھا جو بڑے درجوں کو دینیات پڑھاتے تھے:

> "ترغیبات سے بچنے کی کوئی دعا بتایئے؟۔۔۔"
>
> انھوں نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور اشارہ کرتے ہوئے کہا اپنے لیے کرسی اٹھالاؤ۔۔۔ تلمیذ چاہتا تھا ان کے منہ سے ایسی کوئی چیز نکلے جو اندرونی کشمکش کو مٹادے جو پانچ چھ سال کی عمر سے اس کے پیچھے لگ گئی تھی۔۔۔"
>
> "کیسی ترغیبات؟"
>
> تلمیذ نے کہا، برے خیالات اور برے کام، ان سے بچنے کی دعا، وظیفہ۔۔۔ جو ان خیالات کو مار دے۔۔۔ کیا خیالات ہوتے ہیں، کون سے برے کام؟ عورتوں کے بارے میں۔۔۔ تلمیذ سمجھ گیا ان کے پاس جواب نہیں ہے۔۔۔ کچھ دور جا کر وہ ہنس رہا تھا: مل گئی تو دعا انھیں بھی لکھ بھیجوں گا۔"(۱۰)

بچوں کی بہتر پرورش میں والدین کی ذمہ داری ہے۔ ان کی کردار سازی، ان کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے انھیں تمام اچھائی اور برائی سے آگاہ کرنا اور ایک متوازن شخصیت بنانا مگر ہمارے معاشرے میں ایسا خال خال نظر آتا ہے۔ والدین کی سختی بچوں کو راہ فرار کی طرف مائل کرتی ہے جو انھیں غلط صحبت اور جھوٹ کا عادی بنا دیتے ہیں۔ یہی تمام صورت حال ہمیں تلمیذ کے کردار میں نظر آتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر نسیمہ رحمان لکھتی ہیں:

"اس کرداری اور سوانحی ناول میں یہ دیکھنے کی جسارت کی گئی ہے کہ کس طرح انسان باطن میں جنم لینے والی کشمکش انسانی لاشعور کی خارجی دنیا کے نہاں خانوں میں کئی زیادہ پیچیدگیاں، ابہام اور نقصان کا موجب بنتی ہے۔"(۱۱)

مذہب کے ساتھ ساتھ تلمیذ کی زندگی سماجی اور سیاسی منظر نامے کا شکار بھی رہی۔ فلم سٹوڈیو سے فرار کے بعد وہ فوج بھرتی ہونے کی خواہش لیے لائن میں کھڑا تھا۔ معمولی چیک اپ کے بعد اسے بھرتی کر لیا جاتا۔ تین دن کا بھوکا تلمیذ یہاں تعبیر الرحمٰن کی شناخت کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔

"محاذ پر جانے کو تیار ہوں اور اگر کسی دفتر میں رکھا گیا تو ٹائپ کر سکتا ہوں۔ خط ڈرافٹ کر سکتا ہوں اور بھی جو دفتر کا کام ہو۔"(۱۲)

ناول میں تلمیذ مختلف پیشوں اور ناموں سے اپنی شناخت بناتا رہا ہے۔ ۱۹۴۸ء کے بعد قائم ہونے والی کمیونسٹ پارٹی اس وقت کے حکومتی تحفظات، سرمایہ دارانہ نظام کے حامی اور مقتدر طبقات اور عالمی منظر نامے کو بھی اس کردار کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔

"اپنے ڈر نکال دو۔ کمیونزم سے اس ملک کو خطرہ نہیں ہے۔ کمیونسٹ یہاں ہیں کب! ہاں کمیونسٹ پارٹی ہے، کبھی بالائی زمین کبھی زیر زمین۔ وہ پروگرام بدلتی رہتی ہے۔ جاگیرداروں، سرمایہ داروں کو اس نے اپنا ٹارگٹ سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ یہ ڈراوا امریکہ نے پیدا کیا ہے کہ اس ملک کو کمیونزم سے خطرہ ہے۔"(۱۳)

اس سیاسی داؤ پیچ میں تلمیذ سردار اورنگ زیب کے ہاتھ لگ جاتا ہے۔ سردار کی شخصیت مقتدر اعلیٰ کی اول درجے کی عکاسی ہے جو اپنے مطلب کی برآوری کے لیے دوسروں کا استعمال کرتے ہیں۔ قتل و غارت ایک عام بات ہے۔ وہ سرمایہ دارانہ نظام کا نمائندہ ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ ملکی دولت مند خاندانوں کا حصہ ہے۔ اسمبلی میں بیٹھ کر قانون سازی کرنے والے قانون سے کھیلنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے۔ ناول میں یہ تلمیذ الرحمٰن کا استعمال کرتے ہوئے اسے قتل کرنے کا کہتا ہے:

"اسے راستے سے ہٹانا ہے۔ سردار نے اپنی بات پوری کی۔ راستے سے ہٹانے کا کیا مطلب ہے؟۔۔۔ ملک سے باہر لے جانا ہے۔ سردار نے خشمگیں آواز میں کہا: نہیں ہل سٹیشن! کیا ایک ہی سپ (sip) میں عقل کھو بیٹھے ہو؟

تلمیذ نے کہا: جی میں نے تو ابھی چکھی بھی نہیں۔۔۔

ہیں یا جیل میں؟۔۔۔ تلمیذ بھی گلاس کو خود سے دور سرکا کر کھڑا ہوا اور بولا: سرکار اگر اتنا ضروری ہے تو خود کر ڈالیے، آپ سے بہتر یہ کام کون کر سکتا ہے۔ آپ تجربہ کار ہیں۔"(۱۴)

تلمیذ الرحمٰن کا کردار ایسے سماج کی تعیش گری ہے جو سیاست اور مذہب کے باہمی طرز عمل اور تال میل کے اثرات کو پیدا کرتا ہے۔ اس کے باطن کی نفسیاتی گھٹن دراصل سماج کی دین کا نتیجہ ہے جس نے ناکامی آسودگی کے اظہار سے سماج کی قلعی کھول دی ہے۔ اس کردار میں ضد، ہٹ دھرمی اور متلون مزاجی سبھی شامل ہے۔ ساری زندگی بغیر محنت کے روپیہ کمانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ مشکلات کا سامنا کرنے کے بجائے ان سے فرار کی کوشش کرتا ہے۔ ایک ایسا کردار جو ساری زندگی گناہ کے بوجھ سے نکل نہیں پایا۔ وہ وقت آیا جب اس خیال نے تلمیذ کو اپنی گرفت میں لے لیا کہ

"میں اچھا انسان نہیں ہوں۔ کیا تھا، کیا بن گیا ہوں، کیا بنتا جا رہا ہوں۔ میرے ارادے میرے بس میں نہیں ہیں۔ میرے اندر جو شیطان ہے جسے میں سب سے چھپاتا ہوں، جو چاہتا ہے مجھ سے کروالیتا ہے، میں گھر سے جو جسم لے کر آیا وہ ابا کی حلال کی کمائی سے بنا تھا، لیکن جتنا وہ جسم اب ہے کیا اس کے لیے میں کہہ سکتا ہوں حلال کی کمائی سے بنا ہے؟"(۱۵)

تلمیذ کا کردار اینٹی ہیرو کا سا کردار ہے جس کے اندر ہمت کا فقدان ہے۔ جو اپنے جذبات اور قلبی کیفیت کا اظہار بھی اپنے باپ اور رشتوں سے نہیں کر سکتا۔ وہ ہمیشہ ہی اپنے ماحول اور حالات سے فرار چاہتا ہے۔ بچپن سے مذہب کا خوف، مذہبی تعلیم اور واعظ کی بدولت دوہری زندگی اور گناہ کا احساس اس کے اندر ایک ڈر کی زندگی بسا دیتے ہیں مگر وہ خود کو کسی بھی عمل یا جواز کے تحت رعایت دیتا رہتا ہے۔ جرائم کی دنیا میں بھی داخل ہو کر وہ نتائج سے خوفزدہ رہتا ہے۔ یہ کردار مختلف تضادات کا شکار رہتا ہے اور اپنی اس عادت جو افلیمیں، سیاست میں الجھ کر اپنے بیٹے کو گنوا بیٹھا۔ اس کی بیوی میمونہ کہتی ہے:

"نجم کی موت کے ذمہ دار تم ہو۔ تمھارا غصہ۔۔۔ لیکن تمھیں اس کا خون چین سے بیٹھنے نہیں دے گا۔۔۔ دیکھ لینا زندگی بھر دوسرا بیٹا نہیں ملے گا تمھیں ذرہ برابر بیٹے کی موت کا غم نہیں ہے۔"(۱۶)

نجم کی موت اس کی شدید جذباتیت، غصہ، خود غرضی کے ہاتھوں واقع ہوتی ہے۔ وہ بنا سوچے سمجھے ساری زندگی گزارتا ہے جس سے وہ اپنی خانگی زندگی کو بگاڑ دیتا ہے۔ میمونہ اس کے تین بچوں کی ماں بنی اور اس کی خانہ سوز روح کو ٹھہراؤ دینے والی، مگر اس سے تعلق ٹوٹنے سے پہلے بیٹے کی بے تعلقی، بے گھری اور پھر المناک موت پر وہ اس سے علیحدگی اختیار کر لیتی ہے بیٹے کی موت پر اور جھوٹے قتل کے کیس پر مصنف سے سزائے موت کا فیصلہ سنتا ہے۔ اس کے بعد ایک مرغ دست آموز حج سے اور پھر قاری سے۔ حالانکہ ناول کا کوئی قاری اپنے ہیرو کو ولن جیسی سزا دینے کا قائل نہیں ہوتا۔ مگر اس ناول کی تھیم ہے جس کا گھر ایسا ہو، وطن اپنا ہو، نظام بے مہار ہو وہاں کوئی ہیرو اپنی خوب روئی کے سہارے تو نہیں رہ سکتا۔ پھانسی کے قیدی کی حیثیت سے جیل میں تلمیذ کے لیے زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ پچھتاوؤں کا اژدہام ہر وقت چوکس ہوئے اسے ڈستا رہتا ہے۔ ماضی کے ایام اسے خود سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑتے۔ ہر احساس منجمد ہو جاتا ہے اور جیل میں رہتے ہوئے وہ مذہب میں پناہ لیتا ہے اور کسی حد تک ٹھہراؤ اور سکون پا لیتا ہے۔ مگر زندگی پھر کروٹ بدلتی ہے اور سیاسی مجرموں کے ساتھ موقع ملتے ہی جیل سے فرار ہونا اس کی نہ بدلنے والی سرشت اور فطری حیات کی عکاسی کرتا ہے اور اسی پر ناول کا اختتام ہوتا ہے۔

"بھاگ لے یہی موقع ہے... میرے لیے یہ موقع نہیں ہے، میں نہیں بھاگوں گا۔۔۔ پھر دروازہ بھڑاک سے کھلا اور نجات دلانے والے نے کہا تلمیذ دیر مت کر، بھاگ، یہ ماؤسر رکھ لے۔ آزادی میں نے دلائی ہے اب اپنی حفاظت خود کر۔۔۔"

جیل سے فرار کے وقت اسے اپنا وہ جملہ یاد آتا ہے کہ کیا آدمی گناہ اور جرم سے واقعی کبھی دور ہوتا ہے۔۔۔؟(۱۷)

اس کے علاوہ ناول میں کچھ ایسے کردار بھی ہیں جو مذہبی طبقے کے اعمال و افعال ادا کرتے نظر آتے ہیں جو دوسروں کے لیے خوف کی علامت بھی ہیں۔ ان کرداروں میں حکومتوں کا تختہ الٹنے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔ معاشرے میں رائج سماج کے افعال اور مذہب کے فعال کردار کا خاندان کے باہمی رشتوں کا تعین اب سماج میں مفقود ہو چکا ہے۔ ایسا ہی ایک کردار عزیز الرحمٰن کا ہے۔ ایک ایسا کردار جو اپنی عبادت، زہد و تقویٰ پر نازاں ہر

رشتے اور جذبات سے عاری انسان ہے۔ اسے دیگر لوگوں کی مذہب سے وابستگی پر کچھ تحفظات ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ مذہبی جذبات اور احساسات کے معاملے میں محتاط اور خشک ہونا ہے۔ اس کے نزدیک موسیقی ہر عمل میں حرام ہے اس لیے جب عتیق الرحمٰن کی دوسری بیٹی کے نکاح کے وقت وہ پنڈال سے اٹھ کر کھڑے ہوئے تھے۔ جب بارات نے اپنی آمد کی اطلاع ڈھول تاشے باجے سے دی تھی۔ وہ اگر کسی کے قرض دار نہیں تھے تو کسی کو قرض دیتے بھی نہیں تھے، ہمیشہ سب کے ساتھ لیے دیے رہے۔ بھائی کی وفات کے بعد بھتیجے بھتیجیوں کا جذباتی وابستگی دکھانے کے بجائے سرد مہری سے پیش آنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ انھیں ان سے کوئی شفقت یا قلبی وابستگی نہیں ہے۔ "افسردگی دل میں" بھی حسن منظریوں بیان کرتے ہیں:

"زیادہ عبادت اکثر انسانوں میں ہر قسم کے جذبات کو سلب کر لیتی ہے حتیٰ کہ خدا سے لگاؤ کو بھی اور ایسا انسان خود اپنی ذات کا مرکز بن جاتا ہے۔"(۱۸)

ہمارے معاشرے میں موجود مذہبی افراد کہلائے جانے کے شوقین افراد اسلام کو ایک فکری و عملی نظام حیات سے زیادہ ایک جسم پر چڑھا لیے جانے والا چولا سمجھ لیتے ہیں۔ اس کردار کی مثال عتیق الرحمٰن اور عزیز الرحمٰن ہمیں اپنے ارد گرد نظر آتے ہیں۔ ان کی قلعی اس وقت کھلتی ہے جب وہ اپنے بھائی کی موت کے بعد جائیداد کی تقسیم میں بیٹیوں کو وراثت کے حق سے محروم کر دیتے ہیں:

"یہ وہ مذہبی کردار ہے جس کے لیے مذہب اس کے اپنے ذاتی پسند ناپسند حشو وزائد کا مجموعہ ہے جو اسلام کی فکری نظام کو بھی پس پشت ڈال دیتا ہے۔"(۱۹)

یہ سماج کے وہ کردار ہیں جو اولاد کی تعلیم و تربیت میں سخت گیری اور نیکی و بد کا خیال تو رکھتے ہیں مگر بظاہر سخت کوشی کو مظاہرہ بھی کرتے ہیں مگر تربیت میں بہت خام رہتے ہیں جو اولاد کی شخصیت میں بگاڑ اور کمزوریاں پیدا کر دیتی ہیں۔ ان کے کردار نہ حلاوت و نرمی کا عنصر ہوتا ہے نہ دیگر اوصاف کہ اولاد ان پر اعتماد کر سکے:

"عتیق الرحمٰن کو اپنی ساری اولاد میں بڑی بیٹی کلثوم سے جتنی محبت تھی کسی اور سے نہیں تھی۔ اور اس کی وجہ سے بڑے داماد سے... محض اس وجہ سے کہ دونوں اتنے دیندار تھے جتنے وہ خود نہیں تھے۔"(۲۰)

اس ناول کے کرداروں میں بہن کلثوم اور بہنوئی کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں دیندار ہیں۔ یہ وہ کردار ہیں جو مرکزی کردار تلمیذ کی زندگی اور شخصیت میں مزید انتشار اور بگاڑ کا باعث بنتے ہیں۔ دونوں میاں بیوی جذبات سے عاری اور زہد و تقویٰ سے بھرپور انسان ہے اور تلمیذ کو جلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اپنی تنگ دستی اور تنگ دلی کا بدلہ وہ اس سے لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

"اسے بہنوئی کی داڑھی جتنا جلاتی تھی اتنا ہی بڑی بہن کا دیگچی کا ڈھکن کھول کر ایک ایک بیٹے کو پکارنا۔۔۔ پھر دوسرے بیٹے کا نمبر آتا پھر تیسرے کا اتنی دیر میں تلمیذ خود کو بیٹا محسوس کرتا۔"(۲۱)

ان دونوں کرداروں کا خیال ہے کہ تلمیذ کو سدھارنا ناممکن ہے اور جب باپ کی وفات اور تایا کا جائیداد کی تقسیم میں تلمیذ کی محرومی کا اعلان ہوتا ہے تو تمام مصلحتوں کو پس پشت رکھتے ہوئے وہ اپنے گھر سے نکال دیتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ناول میں چند ضمنی کے دار ہیں جو تلمیذ سے جڑے رہتے ہیں اور ان کی زندگی پر کسی نہ کسی طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ "کاسو" ایک ایسا کردار ہے جو تقسیم برصغیر کے بعد حکمران طبقے کی پیداوار ہے جس کا پیشہ منشیات اور سونا اسمگل کرنا ہے اور اثر و رسوخ ایسا کہ جیل میں قید ہونے کے باوجود سینما میں جا کر فلمیں دیکھتا ہے۔ جیل میں بھی تمام مراعات حاصل ہوتی ہیں۔ وہ اعلیٰ طبقے کے کالے کرتوتوں کا امین ہے۔ مگر اس میں اعلیٰ اخلاقی صفات موجود ہیں جیسے دیگر قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک رکھنا اور مدد کرنا۔

"ایک پیشی پر جہاں اس نے سارے راز بھرے کورٹ اور پریس والوں کے سامنے اگلنے شروع کر دیے۔ کون کون نام بتاؤ اس سے کیا کرواتا رہا ہے۔"(۲۴)

وکیل مرتضیٰ قریشی کا کردار شراب و شباب کا رسیا ہے۔ اس کی بیوی رئیسہ جج کے عہدے پر فائز ہے۔ یہ کردار اپنا مطلب نکالنے کے لیے ہر کرپٹ کام کرتا ہے۔ طبعاً عیاش فطرت رکھتا ہے اور تلمیذ کو بھی جس نے سب سے زیادہ استعمال کیا اور نقصان پہنچایا وہ مرتضیٰ قریشی ہی ہے۔ تلمیذ کو جیل پہنچانے اس کا گھر توڑنے میں اس کا کردار اہم رہا ہے۔ یہ معاشرے کے اس طبقے سے تعلق رکھتا ہے جس نے کرپشن کے کلچر کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ غیور کا کردار جرنلسٹ کا ہے۔ یہ زرد صحفت کا وہ چہرہ ہے جو صحافت کے پیشے کو پیسہ کمانے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ بلیک میلر، شاطر، خود غرض اور ہوس کے پجاریوں کے کردار میں مرتضیٰ قریشی اور غیور ہمارے معاشرے کے کئی کرداروں کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔

شان الہیٰ کرپٹ کلرک جو محکمانہ فنڈ کی خرد برد کے ۱۰۱ طریقے رکھتا ہے اور ان سے فائدہ بھی اٹھانا جانتا تھا۔ یہ پاکستانی سماج کو لگنے والی وہ جونکیں تھیں جو اس کی جڑوں کا خون چوستی ہیں۔ ذاکر کانسٹیبل ہے جو مذہبی طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ صوم و صلواۃ کا پابند ہونے کے ساتھ قیدیوں کو بھی توبہ استغفار کا درس دیتا ہے۔ یہ ناول کا مثبت کردار ہے جو انسان کے اندر امید اور اچھائی کے وصف پیدا کرتا ہے مگر اپنی زندگی میں تضادات کا شکار ہے، جو اعلیٰ افسران کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے اپنے رزق اور روزی کے لیے بلیک میل ہوتا رہتا ہے۔ ایک عام انسان جس کی گردن پر دو دھاری تلوار لٹکتی رہتی ہے بالآخر خود کو نفسیاتی مریض ظاہر کر کے اس کام سے اپنی جان چھڑا لیتا ہے۔ فتی پیشہ ور حجام (باربر) ہے جو نچلے طبقے کی نمائندگی کرتا ہے جو رزق کی فراخ دلی کو بے غرض رشتوں اور بے ریا تعلقات کی دین سمجھتا ہے۔ وہ پر خلوص انسان ہے۔ تقسیم ہند سے قبل اس کا راجدانی میں ہیئر سیلون تھا۔ تقسیم کے بعد وہ پاکستان آ جاتا ہے۔ وہ ایسا ضمنی کردار ہے جو تلمیذ کی ہر صورت حال میں مدد کرتا ہے۔ یہ معاشرے کے ان پر خلوص لوگوں میں سے ایک کردار ہے جو بغیر کسی صلے اور تمنا کی توقع کے اپنی زندگی دوسروں کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔

سکواڈرن لیڈر جبار ایسا کردار ہے جو تلمیذ کو ایکسپورٹ امپورٹ کی ترغیب دیتا ہے اور اس کی ہر طرح مدد بھی کرتا ہے مگر جلد فضائی حادثے میں اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ محب وطن اور بے مثال کردار جس کا سارا معاشرہ ہمیشہ ناقدری کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جبار بھی دشمن قوتوں کی پالیسیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

ناول کا ایک اور کردار نجم ہے جو معصوم، نو عمر ذہین بچے کا کردار ہے اور تلمیذ کا بیٹا ہے مگر باپ کی بے اعتنائی اور بدلتے رویے اس پر اثر انداز ہوئے۔ گھر میں جواری اور شرابی دوستوں کے آنے سے وہ ایک جگہ پابند ہو جاتا تھا۔ باپ کی بچپن کی شفقت کو وہ ہمیشہ تلاش کرتا تھا۔ اس کا بچپن اور معصومیت کو گہن لگ گیا۔ تب غصے میں وہ گھر سے نکل جاتا ہے اور پھر ایک دن اس کی موت کی خبر آتی ہے۔ ناول کے نسوانی کرداروں میں سب سے اہم کردار امینہ کا ہے یہ ایک ایسی عورت کا کردار ہے جو وفادار اور وقت پڑنے پر دوستوں کی مدد کرتی ہے۔ اس کا شوہر فوج میں ملازمت کرتا ہے اور تقسیم کے بعد ہمسایہ ملک میں ہے۔ یہ تلمیذ کی رکھیل ہے، جس سے وہ اپنی بھائی کی کفالت کرتی ہے۔ مگر تلمیذ کے بعد کسی مرد سے تعلق نہیں رکھتی ہے۔ یہ ایک غیر معمولی نسوانی کردار ہے۔ فراڈ کیس میں فتی کے ساتھ مل کر تلمیذ کی ضمانت کرواتی ہے۔ جیل میں اس سے ملاقات کو آتی ہے۔ آخر میں اسے کینسر ہو جاتا ہے۔ اسے جب تلمیذ کی ضرورت ہوتی ہے وہ جیل میں ہوتا ہے۔ اس کا بھائی سلیم آ کر امینہ کی موت کی خبر دیتا ہے۔ یہ وہ واحد کردار ہے جو ہر ضرورت پڑنے پر تلمیذ سے اپنا ہر رشتہ نبھاتا ہے۔ اس تعلق کو لے کر دونوں میں وفاداری اور خلوص موجود ہوتا ہے۔ وہ اپنی حدود سے واقف ہوتی ہے لیکن اس سے شادی نہیں کرتی ہے کیونکہ وہ اپنے شوہر سے بھی محبت اور وفاداری کا عہد رکھتی ہے۔

"اگر تمھیں آزادی مل بھی جائے پھر پھر بھی میں تم سے شادی نہیں کروں گی۔ کیوں؟ ایسا کرنا پاپ

ہو گا۔ کو کرم اس لیے۔ میں اپنے شوہر اور تمھاری وفاداری ہوں۔ وہ نہیں جو تم اپنے دل میں مجھے سمجھتے ہو گے۔"

"میں تمھارے لیے بلبلائی پھرتی تھی۔ خود نہیں جانتی تھی کہ کس کی عزت ہوں۔ اس کی جو پڑوس کے ملک میں غائب ہو گیا یا تمھاری۔ بس یوں سمجھ لو ایک ساتھ دوہری بیوہ نہیں ہونا چاہتی تھی۔"(۲۴)

میمونہ بھی اس ناول کا اہم کردار اور تلمیذ کی بیوی ہے۔ جو خالصتاً مشرقی عورت ہے جو باپ کے گھر بھی بساط سے بڑھ کر ذمہ داریاں سنبھالتی ہے، اور شوہر کے گھر بھی اور اپنے گھر کو بسانے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔ شوہر کے مہمانوں کی بے ہودگی بھی برداشت کرتی ہے۔ غلط روش پر تلمیذ کی اصلاح کی کوشش بھی کرتی ہے مگر ماں ہونے کی حیثیت سے گھر کے ماحول کے بچوں پر منفی اثرات پر اس کی قوت صبر جواب دے جاتی ہے، اور پھر نجم کی موت اور بچیوں کی بہتر پرورش کے لیے خلع لے لیتی ہے۔ یہ ایک پڑھی لکھی عورت ہے۔ انگریزی ادبیات اس کے طرز عمل سے جھلکتی ہے۔ تلمیذ سے ملنے جیل جاتی ہے مگر دور سے دیکھ کر واپس آ جاتی ہے۔ وفاشعار بیوی کی طرح اب بھی اس کے لیے نرم گوشہ رکھتی تھی۔ دیگر نسوانی کرداروں میں تسنیم اور کسم کا تعارف تلمیذ خیالات کی صورت میں کرواتا ہے، جو کہ محض تصوراتی معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ فلم کیپیٹل سٹی کی دل آرا (ادیبہ) اور اندو رام رتنم فلمی دنیا میں قسمت آزمائی کے لیے آئی ہیں اور واپس اپنی دنیا میں چلی جاتی ہیں۔ ناول کی کردار نگاری پاکستان کے تمام طبقات کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس ناول میں حسن منظر نے جس سماج کو پیش کیا ہے وہ حبس اور گھٹن زدہ ہے جو آنے والی نسلوں کی تربیت میں ناقص اور نفسیاتی اصولوں سے نابلد ہے۔ بچے کا ذہن متجسس ہوتا ہے، کئی سوال رکھتا ہے۔ اگر ان کی تشفی نہ ہو تو وہ چور دروازے تلاشتا ہے کیونکہ جب گھروں میں ان کے سوال پر چپ کروا دیا جاتا ہے تو وہ ایک ان دیکھی دنیا کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں جو ان کے ذہنوں کی مقناطیسی سرگوشیوں کے جواب دے سکیں۔ تلمیذ الرحمٰن کی شخصیت کے بگاڑ میں ان تمام عوامل کی کارفرمائی شامل ہے۔ ناول میں کرداروں کے ساتھ ساتھ ان کی مقامیت اور زبان میں بھی تغیر آتا رہتا ہے۔ ناول میں بارہا جگہ فلسفیانہ اور فکر انگیز بیانات بھی درج ہیں مگر وہ بیزاریت کا باعث نہیں بنتے ہیں کیونکہ ناول نگار نے فلسفی اور مفکر بننے کے بجائے نقاد بن کر زندگی کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے۔ انسانی تاریخ کا ماحصل تلمیذ کے ان الفاظ میں ملتا ہے:

"کاش دو زندگیاں دی ہوتیں، ایک اپنی زندگی بسر کرنے دوسری اس سے پیدا ہونے والے تجربے کے ساتھ بسر کرنے۔۔۔ میں اس زندگی میں جان گیا ہوں وہ سب کیا ہے جس نے آخر میں مجھے تکلیف پہنچائی اور اگلی کے لیے سمجھ گیا ہوں کیسے بسر کرنی ہے۔"(۲۴)

"انسان! اے انسان!" کا اصل موضوع ہے کہ انسان فطرتاً معصوم پیدا ہوتا ہے۔ بعد ازاں اس کے ذہن پر مذہب کی مہریں ثبت کر دی جاتی ہیں۔ اس ناول میں مذہبی رویوں کو اخلاقی حدوں میں دیکھنے کا آئینہ موجود ہے۔ اس ناول کے تمام کردار ہماری معاشرتی، سماجی، سیاسی زندگی اور ان کے اثرات کے تحت پنپنے والے افکار و خیالات، عقائد و نظریات اور رجحانات کی مکمل عکاسی کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں سماج اور تاریخ کے مکروہ چہرے نظر آتے ہیں۔ یہ ناول انسانی ذات کے ایسے تجربات کی دستاویز ہے جس نے زندگی کے بنیادی، آفاقی اور کائناتی موضوعات کو ایک جگہ سمیٹ کر اسے کثیر الجہات بنا دیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شوقی الیاس، حسن منظر کی افسانہ نگاری، مشمولہ کہانی گھر اپریل تا ستمبر۔ ۲۰۱۲ء، ص ۱۲۱

۲ ۔ مہرونہ لغاری، ڈاکٹر، تہذیبی تنوع اور اردو ناول، انجمن ترقی اُردو، کراچی، ۲۰۲۲ء، ص:۴۸۷

۳ ۔ نسیمہ رحمن، ڈاکٹر، انسان اے انسان کا فنی و فکری جائزہ، جرنل آف ریسرچ اردو، جلد ۳۶ شمارہ ۲ جولائی تا دسمبر ۲۰۲۰ء، ص:۵۶

۴ ۔ شکیل احمد، ڈاکٹر، حسن منظر بطور افسانہ نگار، ایک جائزہ ماہنامہ قومی زبان ستمبر ۲۰۲۴ء، ص:۱۷

۵ ۔ حسن منظر، ڈاکٹر، انسان، اے انسان شہر زاد کراچی ۲۰۱۳، ص:۵۷۔۷۶

۶ ۔ ایضاً۔ ص:۶

۷ ۔ ایضاً ص۹

۸ ۔ ایضاً ص:۵۶۹

۹ ۔ مہرونہ لغاری، ڈاکٹر، تہذیبی تنوع اور اردو ناول، انجمن ترقی اُردو، کراچی ۲۰۲۲ء، ص:۵۲۴

۱۰ ۔ حسن منظر، ڈاکٹر، انسان اے انسان، شہر زاد پبلشر، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص:۱۰۵

۱۱ ۔ نسیمہ رحمن ڈاکٹر / ثمینہ سیف، جرنل آف ریسرچ اُردو جلد ۳۶، شمارہ ۲۔ جولائی تا دسمبر، ۲۰۲۰ء، ص:۵۷

۱۲ ۔ حسن منظر، ڈاکٹر، انسان اے انسان، شہر زاد، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص:۱۴۹

۱۳ ۔ ایضاً۔ ص:۳۱۳

۱۴ ۔ ایضاً

۱۵ ۔ ایضاً ص:۵۵

۱۶ ۔ ایضاً ص:۴۱۳

۱۷ ۔ ایضاً، ص:۹۰۔۵۸۹۔، ۵۹۱

۱۸ ۔ حسن منظر، ڈاکٹر، ایک اور آدمی، سٹی بک پریس شاپ، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص:۳۷

۱۹ ۔ مہرونہ لغاری، ڈاکٹر، حسن منظر ادبی خدمات، مثال پبلشر، ۲۰۱۴ء، ص:۲۵۹

۲۰ ۔ حسن منظر، ڈاکٹر، انسان اے انسان، شہر زاد پبلشر کراچی ۲۰۱۳ء، ص:۴۹

۲۱ ۔ ایضاً، ص:۳۴

۲۲ ۔ ایضاً، ص:۲۸۶

۲۳ ۔ ایضاً ص:۵۱-۵۴

۲۴ ۔ ایضاً ص:۵۴۶

References in Roman Script:

1. Shoqi Ilyas, Hasan Manzar ki Afsana Nigari, mashmoola Kahani Ghar, April–September 2012, p. 121.
2. Mehrona Laghari, Dr., Tahzeebi Tanawwu aur Urdu Novel, Anjuman Taraqqi-e-Urdu, Karachi, 2022, p. 487.
3. Naseema Rehman, Dr., Insan Ae Insan ka Fanni o Fikri Jaiza, Journal of Research Urdu, Vol. 36, No. 2, July–December 2020, p. 56.

4. Shakeel Ahmad, Dr., Hasan Manzar Batour Afsana Nigar: Aik Jaiza, Mahnama Qaumi Zaban, September 2024, p. 71.
5. Hasan Manzar, Dr., Insan Ae Insan, Shehrzad Publishers, Karachi, 2013, pp. 75–76.
6. Ibid., p. 6.
7. Ibid., p. 9.
8. Ibid., p. 569.
9. Mehrona Laghari, Dr., Tahzeebi Tanawwu aur Urdu Novel, Anjuman Taraqqi-e-Urdu, Karachi, 2022, p. 524.
10. Hasan Manzar, Dr., Insan Ae Insan, Shehrzad Publishers, Karachi, 2013, p. 105.
11. Naseema Rehman, Dr. & Samina Saif, Journal of Research Urdu, Vol. 36, No. 2, July–December 2020, p. 57.
12. Hasan Manzar, Dr., Insan Ae Insan, Shehrzad Publishers, Karachi, 2013, p. 149.
13. Ibid., p. 313.
14. Ibid.
15. Ibid., p. 55.
16. Ibid., p. 413.
17. Ibid., pp. 90, 589, 591.
18. Hasan Manzar, Dr., Aik Aur Aadmi, City Book Press, Karachi, 1999, p. 73.
19. Mehrona Laghari, Dr., Hasan Manzar: Adabi Khidmaat, Misal Publishers, 2014, p. 259.
20. Hasan Manzar, Dr., Insan Ae Insan, Shehrzad Publishers, Karachi, 2013, p. 49.
21. Ibid., p. 34.
22. Ibid., p. 286.
23. Ibid., pp. 51–54.
24. Ibid., p. 546.